بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اِک سال گیا، اِک سال آیا۔

پچھلا سال جاتے جاتے اپنے ساز سے درد بھرے نغمے سُنا رہا ہے اور اس کے تاروں سے لہو رس رہا ہے۔ مجاہدینِ افغانستان کی دہ سالہ جنگ رُوسی جارحیت کے کولہو میں پیلے ہوئے ہزارہا بے گناہ اور مظلوم افراد — برما اور یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کے مظلومانہ احوال کے ساتھ بھارت میں چند میل کے فاصلے پر مسجد بابری کے انہدام اور رام جنم بھومی مندر کی تعمیر کے لیے متعصب ہندوؤں کا اٹھایا ہوا طوفانِ مُسلم کُشی، جس میں سینکڑوں جانیں، بے حساب اموال، کتنے ہی گھر اور کتنی ہی دکانیں تباہ ہو چکی ہیں اور ابھی مزید سیلاب اٹھانے کی تیاریاں ہیں۔

آج (۱۹ دسمبر) کی تازہ ترین خبر یہ ہے کہ بہار کے ایک گاؤں کے تمام مسلمان مردوں کو گولی ماردی گئی اور پھر عورتوں کو بھی شیطنت کا نشانہ بنانے کے بعد ختم کر دیا گیا[1]

ایران اور عراق جنگ بندی کے بعد اب ایک طرف اپنے شہریوں اور ان کی املاک کے زخموں کو دیکھ رہے ہیں اور دوسری طرف معیشت کی جراحتوں کا اندازہ لگا رہے ہیں۔

---

[1] انہی ستم رسیدہ عورتوں میں سے زندہ بچ نکلنے والی ایک خاتون ملکہ بیگم نے پٹنہ ہائی کورٹ میں درخواست دی ہے کہ چندولی کی پولیس نے اس کے گاؤں کی تمام مسلم آبادی کو ختم کر دیا ہے، چنانچہ ملکہ بیگم کو عدالتی حکم سے ہسپتال میں داخل کرا کے سی آئی ڈی کو اس دردناک وقوعہ کی تحقیقات عدالت میں پیش کرنے کے لیے مامور کیا گیا ہے۔

اسرائیلی خنامیوں کے ہاتھوں ان معصوم ابابیلوں کی تباہی ہو رہی ہے جن کو آخری چارۂ کار کے طور پر تحریکِ انتفاضہ نے کھڑا کیا ہے اور جو ٹینکوں کا مقابلہ کنکریوں سے کر رہے ہیں۔

امریکہ، روس، بھارت، اسرائیل اور کابل کی نجیب گورنمنٹ اس متحدہ مقصد پر جمع ہیں کہ اسلام پر فنڈامنٹلزم کا لیبل لگا کر اپنے تہذیبی سانچے میں ڈھالے ہوئے مسلمان حکمرانوں اور مالی اکابر کو اس کے خلاف جنگ آزما کر دیں اور صحیح نظریۂ اسلامی کو سر نہ اٹھانے دیں۔

"شیطانی نکات" جیسی مُسلم آزار کتاب مغرب میں چھپتی ہے اور مغرب شرافت کے اُصولوں کے بجائے مسلمانوں کی اذیت رسانی کے لیے سلمان رشدی کا ساتھ دیتا ہے۔ بلکہ پورا مغرب اس پر ایسا متحد ہو جاتا ہے جیسا کم ہی کسی امر پر ہو۔ دراصل اُدھر سے یہ بھی ایک صلیبی جنگ ہے۔ برطانیہ میں عیسائیت کی توہین جُرم ہے، مگر ایسی ہی توہین اسلام یا کسی اور مذہب کے خلاف ہو تو جرم نہیں۔ یہ ہے عقلی اور جمہوری دور کا اوجِ کمال۔

عام انسانیت اپنی اکثریت کے لحاظ سے غربت میں پس رہی ہے۔ بے روزگاری کو فروغ حاصل ہے۔ کتنے ہی علاقے خوراک کی کمی کا شکار ہیں۔ ہزاروں آدم زادوں کو پینے کا صاف پانی دستیاب نہیں، نت نئی خوفناک بیماریاں بڑھ رہی ہیں، ان کے دوا و علاج کا خرچہ عام آدمی کی دسترس سے باہر ہے۔ کتنی ہی مخلوق (ایشیا اور افریقہ میں) کمپوں میں بے گھر، بے در پڑی ہے۔ عدالتی انصاف کا اوّل تو حصول مہنگا اور ملے تو اس کا معیار بھی گرا ہوا۔

اخلاقی پہلو سے دیکھیں تو سیاست، معیشت اور بین الانسانی تعلقات سب کے لیے مشینی نقطۂ نظر کام کرتا ہے۔ فرد سے لے کر سماجی اداروں اور ریاست و حکومت تک کہیں اب اخلاقی قدروں کی بالادستی نہیں رہی۔ ایمان اور ضمیر کو کوئی وزن حاصل نہیں۔ ہر شخص کے ذہن میں خوف کے کئی کئی بھوت منڈلا رہے ہیں۔ مجرموں کا خوف،

اکثریت کا خوف، (اور کہیں کہیں شر پسند اقلیتوں کا خوف) جدید ہلاکت انگیز اسلحہ کا خوف، ماحول کی آلودگی کا خوف، بعض ہولناک اور ناقابلِ علاج بیماریوں کا خوف، قوموں اور ملکوں اور نسلوں کی تقسیموں کے علاوہ انسانی ایجاد کردہ فلسفوں اور نظریوں کی تقسیمیں اور ان تقسیموں کا خوف، گاڑی یا جہاز یا بازار میں یکایک بم پھٹ جانے کا خوف، جہازوں کے اغوا کا خوف، آدمیوں کے اپنے اغوا کا خوف، لٹیروں اور عزت کے ڈاکوؤں کا خوف، ہیروئن اور ہیروئن کے تاجروں اور شکاریوں کا خوف، معاشی خوف، بات بے بات چاقو اور گولی کا خوف، پروپیگنڈے بازوں کے حملے کا خوف، جنسی جنون سے ماحول کو آلودہ کرنے والوں کا خوف، نفسیاتی خلل کے مریضوں کا خوف ـــــ غور کیجیے کہ علم، جمہوریت، عقل، سائنس اور ٹیکنالوجی کی دنیا نے انسانوں کے دلوں اور ان کے ضمیروں اور کرداروں کو نظر انداز کر کے یک طرفہ بھینگی ترقی کے نتیجے میں انسان کو کہاں لا کھڑا کیا ہے؟

متذکرہ احوال نے عین پاکستان کے اندر ہم کو گھیر رکھا ہے۔ تخریب کاری عام ہے، باہر سے تربیت پاکر آنے والے تباہ کار کھلم کھلا کام کر رہے ہیں۔ بات بات پہ ہر روز قتل کی خبریں اور وہ بھی انتہائی پیمانہ، بنکوں اور بسوں اور گاڑیوں پر ڈاکے، بڑوں اور بچوں کو اغوا کر کے بھاری فدیوں کے بدلے میں رہائی دینے کے واقعات، علاقائیت، نسلیت، فرقہ واریت اور لسانیت کے فتنوں کا اُبلتا ہوا لاوا۔ کھلم کھلا بیرونی افراد اور لٹریچر اور اسلحہ کا داخلہ، قدم قدم پہ خیانت کے کھیل، دفتر بہ دفتر رشوت کا کاروبار، (مگر کھلے بندوں)، ٹیکسوں کا انتہائی شدید بوجھ، بیرونی قرضوں کا بوجھ، افراطِ زر کا بڑھنا، اور خارجہ تجارت میں خسارہ، بیروزگاری کا پھیلاؤ، حکمران طبقہ کی شاہ خرچیاں، خزانے کی سکت سے زیادہ وزراء و مشیروں اور سیکرٹریوں کی رجمنٹوں کا مالی بار۔

یہ اسلامی نظام کا پیمان باندھ کر اس سے فرار کی سزا ہے جو کبھی آمریت کی شکل میں ملتی ہے، کبھی مارشل لا کی شکل میں، کبھی جمہوری فسطائیت کی شکل میں، اور کبھی ایک خاندان کے گرد گھومنے والی حکومت کی شکل میں۔ اِس سزا سے بچنے کا واحد راستہ

ہے رجوع الی الاسلام۔

اب آیئے، ایک بہت ہی بڑے واقعے کی طرف جو ۱۹۸۹ء میں اچھی طرح سامنے آگیا مگر اب ۱۹۹۰ء میں اس کی تکمیل ہوگی۔

دس سال پہلے افغانی کہساروں سے مظلومانہ خون کی ایک دھارا ابلی تھی، پھر دوسری، پھر تیسری، حتیٰ کہ ساری فضا خون آلود ہوگئی۔

ایک تمدن ناآشنا قوم کے قلیل التعداد جانبازوں کے اس انسانی خون کی سرخی کو مدتوں تک دنیا نے جانا ہی نہیں، بلکہ کچھ یوں تصور کیا کہ ایک پس ماندہ قبیلوی آبادی کا نسلی جذبۂ غیرت اپنا اندھا ابال دکھا رہا ہے، اور افغان مجاہدین کا خون پانی سے زیادہ قابلِ وقعت نہیں ہے۔

مگر اس خون کا ہر قطرہ اس طرح کے ایک تزکاخے (FISSION) کا موجب ہوا۔ جیسے ایٹمی ذرات کے ٹوٹنے سے ہوتا ہے۔ اور پھر قطرۂ خون کوئی ایک نہ تھا۔ خون کے فوارے اچھل رہے تھے۔ لاکھوں قطرے جب پھٹے تو کسی ایٹمی بم سے بڑا دھماکا ہوا۔

چند سال پہلے کی نظم کا ایک بند یہاں پیش کرنا مناسب ہے۔ یہ نظم میں نے شیخ حسن البنا کی شہادت پر لکھی تھی۔

اِس خون میں حل ایمان بھی ہے   یہ خون بقا سامان بھی ہے
ہر بوند میں اک طوفان بھی ہے
طوفان میں ہوگا، کون فنا؟   یہ کون تھا؟ کس کا خون بہا

افغانی خون کے دھماکے سے روس کے نظام کی بنیادیں ہل گئیں، اشتراکی فلسفے اور مارکسی نظریے کے بخیے ادھڑ گئے، طبقاتی تصورِ معاشرہ پر قائم یک جماعتی فسطائیت کا قصر بیوند زمین ہوگیا۔ روسی فوج کی افغانستان میں آکر قلعی کھل گئی کہ ان کے آلات کتنے ہی شاندار ہوں، وہ اوّل درجے کے جانباز نہیں ہیں، بلکہ غیر متمدن اور غیر منظم پٹھان

سپاہیوں سے کمتر ہیں۔
روس میں جگہ جگہ بڑے پیمانے کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ لوگ اپنے اپنے علاقوں کی آزادی چاہتے ہیں اور جہاں سے ان کو اکھیڑا گیا تھا، وہاں واپس جانا چاہتے ہیں۔ خصوصاً غیر روسی علاقے اب کسی روسی گورنر یا افسرِ اعلیٰ کو اپنے ہاں گوارا کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ روسی پارلیمنٹ نے افغانستان میں فوج کشی کے خلاف قراردادِ مذمت منظور کر لی۔

چین میں حالات کا نقشہ پہلے سے بدل رہا تھا۔ آج کل روس اور جاپان میں پرانی کشیدگی دور کرنے کے لیے گفت و شنید ہو رہی ہے۔ پولینڈ میں کمیونسٹ حکومت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اور جمہوری انتخابات میں ویلیسا کی عوامی جماعت اکثریت میں آگئی ہے۔ برلن کی دیوار ٹوٹ گئی۔ چیکوسلوویکیہ کو یورپ سے الگ رکھنے کے لیے جو خاردار جنگلے لگائے گئے تھے، وہ ہٹا دیئے گئے ہیں۔ رومانیہ میں البتہ پُرانا نشہ ٹوٹا نہیں، اس لیے ہزارہا جمہوریت پسند شہری (جملہ ۴۰۰۰) ٹینکوں کے نیچے کچل دیئے گئے ہیں۔ مگر آمریت ختم ہو گئی۔ یوگوسلافیہ میں مسلمان اقلیت مطالبہ کر رہی ہے کہ انہیں اپنی تہذیب پر قائم رہنے کا حق دیا جائے۔
روس اب اس قابل نہیں رہا کہ وہ امریکہ کے خلاف سرد جنگ جاری رکھ سکے۔ اس لحاظ سے دنیا میں ایک ہی طاقت کے غالب رہ جانے کے بعد ایک تاریخی خلا نمودار ہو گیا ہے۔ بالیقین نئے حالات اسے پُر کریں گے۔ روس یورپی علاقوں سے مہلک جنگی تنصیبات سمیٹ رہا ہے۔ اعلان کر دیا گیا ہے کہ تمام دنیا سے روسی فوجیں واپس بلائی جا رہی ہیں۔
یہ ہے انجام پون صدی تک لاکھوں انسانوں کو درندگی کا شکار بنانے اور سوشلزم کے خداوندِ باطل کی بھینٹ چڑھانے کا، مگر آج لینن کے پیاروں اور مارکس کے فدائیوں کی آنکھوں کے سامنے سوشلزم نامی جعلی خدا مر گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
آیئے کہ ہم سب ان ہزاروں دوستوں سے تعزیت کریں جن کے دلوں کو تازہ تازہ

جر استوں کی ٹیسیں ستا رہی ہیں۔

ہوا یہ کہ روسیوں اور دُنیا بھر کے مارکس پرستوں کا یہ تصوّر دیمک کھائی ہوئی لکڑی کی طرح ٹوٹ گرا ہے کہ سرمایہ داری آخرکار ارتکاز سرمایہ کی وجہ سے تہس نہس ہو جائیگی اور ہر جگہ ہتھوڑے درانتی کا لال جھنڈا لہرائے گا۔ حتیٰ کہ امریکہ کے وائٹ ہاؤس پر بھی۔

نظریہ یہ تھا کہ سرمایہ جوں جوں نشوونما پاتا ہے، ارتکاز پذیر ہوتا ہے، اجارہ داریاں اور کارٹل سسٹم پیدا ہوتے ہیں، نتیجہ یہ کہ محنت کاروں کی ٹریڈ یونین تحریکیں زور پکڑتی ہیں۔ سرمایہ ہنگاموں اور خطروں سے بھاگتا ہے۔ وہ پہلے ہی ہر قوم کے چند ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے پھیلاؤ کو اور کم کرتا ہے۔ اس طرح بین الاقوامی قوتوں کا لگایا ہوا سرمایہ عالمی منڈیوں اور بنکوں سے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا جاتا ہے۔ کیونکہ ملازمین، مزدوروں کسانوں، بے روزگار نوجوانوں کی تحریکیں زور پکڑتی ہیں اور پہلا قدم پُرامن راستے سے اُٹھا کر پھر آہستہ آہستہ کشمکش سے پیدا ہونے والی اسٹیم کے ذریعے جس کے دباؤ کا پیمانہ ہر دَور کے نعرے ہوتے ہیں، توڑ پھوڑ اور تخریب کاری کی طرف بڑھنے لگتی ہیں اور جلاؤ، گھیراؤ، بلکہ قتل مقاتلہ کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس طرح سرمایہ اور زیادہ محفوظ غاروں اور گپھاؤں میں چلا جاتا ہے۔ سرمایہ دار سامراجی قوتوں کے کارخانے بند ہو جاتے ہیں، ان کی پیداواریں گھٹنے لگتی ہیں، اشیاء میں سے کچھ نایاب اور کچھ کمیاب ہو جاتی ہیں بعض ضروریات کی راشننگ ہونے لگتی ہے، اکثر چیزوں پر ٹیکس بڑھتا ہے، زندگی تنگ تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ٹریڈ یونین ازم کے ساتھ سیاسی طوفان بھی اُمڈ پڑتا ہے۔ اس دوگونہ طوفان میں نہ قانون پوری طرح کام کر سکتا ہے، نہ اخلاقی قدریں آڑے آسکتی ہیں، نہ مذہب دو غلط کاروں کے درمیان کوئی پارٹ ادا کر سکتا ہے، نہ جمہوریت اور لبرلزم بہتری پیدا کر سکتے ہیں، بلکہ معاملات کے بگاڑ میں سب سے زیادہ حصّہ لادین جمہوریت اور ملحدانہ لبرلزم ہی کا ہوتا ہے۔ یہ تاریخی عمل مارکس اور اس کے چیلوں کی نگاہ میں تھا کہ یہ آہستہ آہستہ دُنیا کی سرمایہ دار پاور زکو منہدم کر دے گا۔

مگر واقعات عجیب رُخ اختیار کر گئے۔ رُوس کے اندر کا سارا عمل مکمل جبریت و استبداد پر مبنی تھا اور اس کے زخمیوں اور ان کی اولادوں میں اس کے خلاف ایک مخفی بیزاری نشوونما پاتی رہی۔ زمینیں حکومت نے قبضے میں لے کر پیداواری ترقی کو محض دلکش نظریوں کے جنون میں ایسا تباہ کیا کہ پون صدی کے اس دور میں نہ صرف یہ کہ وہ زمانے کی بڑی اقوام سے پیچھے رہ گیا اور سرمایہ دار طاقتوں سے پست ہو کر رہ گیا بلکہ مذہب و اخلاق کے خلاف الحاد کی یلغار نے معاملاتی رویوں کو حوالۂ انتشار کر دیا اور مذہب پسند اکثریت میں بھی شدید درد و کرب، بیزاری اور اضمحلال پیدا کر دیا۔ قوموں اور نسلوں کو نئے نئے رسم الخط بنا کر الگ کیا گیا۔ آبادیاں جبراً ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دی گئیں، احتجاج کو روکنے کے لیے گلے دبا دیے گئے اور ہونٹ سی دیے گئے۔ نہ جلسہ، نہ جلوس، نہ آزاد صحافت، نہ آزاد ادب، نہ مستقبل کی کوئی اُمید۔ پولیٹ بیورو کا آج کا سیکرٹری کل مجرم بنا کر گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ کل کا مجسٹریٹ پرسوں حوالۂ مرگ ہو گیا۔ ایک گھر میں ماں باپ کے خلاف بچے اور ساسوں کے خلاف بہویں اور شوہروں کے خلاف بیویاں جاسوس بن گئیں۔ ذرا ذرا سی شکایت پر مہلک درجے کی تفتیش اور تفتیش سے بچ نکلنے والوں کے لیے سائبیریا کے "محنت کیمپوں" میں دیواروں اور خاردار تاروں اور درندہ فطرت کتوں اور پہرہ داروں کے درمیان بیماریوں اور ناقص غذا کے ہوتے ہوئے زیادہ محنت کے چند برس عذاب سالوں کے بعد موت کو گلے لگا کر قیدی رہا ہو جاتے۔

یہ سنگین اور خوفناک نظام اپنے باشندوں کو غذا نہ فراہم کر سکا، لباس نہ دے سکا، مکان نہ مہیا کر سکا، اُن کے معیارِ زندگی کی حد سے زیادہ پستی کو باقی دنیا کے نصف درجے تک بھی نہ لا سکا۔

اس نظام کی شاندار عمارت دیکھ کر دل دہل جاتے تھے، اور رُوسی لیڈروں کی تقریروں اور پالیسیوں کی صدائے بازگشت سے قوموں میں ہل چل مچ جاتی تھی، مگر کس کو پتہ تھا کہ اندر سے یہ عمارت کتنی کرم خوردہ ہو چکی ہے، چنانچہ افغانی خون کی لہروں کی ایک ٹکر ہی نے اس کو اُلٹ کے رکھ دیا۔

کل تک نوجوانوں کے لیے کمیونسٹ بننا فیشن تھا اور ہزاراں پڑھ آدمی اٹھ کر نعرے لگا دیتا کہ "ایشیا سرخ ہے" اور سرمایہ داری مُردہ باد، ہزارہا کتابیں فلسفے، تاریخ، اجتماعیات، معاشیات، نظریۂ انقلاب پر لکھ ڈالی گئیں۔ کمیونسٹ پارٹی کی تاریخ بھی لکھی گئی۔ روس کے اقتصادی اور معاشرتی حالات کے متعلق جھوٹے سچے اعداد و شمار بھی شائع ہوتے رہے۔ اِدھر ترقی پسندوں کی فوج ہمارے ملک کی دنیائے ادب پر سوشلزم کا پرچم گاڑے لینن اور روسی سوشلزم کے قصیدے پڑھ پڑھ کر نوجوانوں کو مرعوب کر رہی تھی۔ بلکہ بعض علماء کو بھی سوشلزم کے دابۂ خونخوار کے وجود میں حقیقت کی تجلیاں نظر آنے لگیں۔

اب وہ تجلیاں کہاں ہیں؟

سوشلزم کے صنم خانے کے سارے جھوٹے خدا مر گئے۔

صرف ایک خدائے حی و قیوم باقی ہے۔

دانشوروں، خصوصاً امریکی اکابر کا ذہن یہ ہے کہ گوربچوف ایک چال چل رہے ہیں۔ وہ سوشلزم اور کمیونزم کے چہرے کے "ڈنٹ" دور کر کے کچھ پلاسٹک سرجری کرا کے اور کسی بیوٹی پارلر ہاؤس کی خدمات حاصل کر کے، کچھ نیا لباس پہنا کر لانا چاہتے ہیں۔

بظاہر وہ یہی کر رہے ہیں۔

مگر کسی کینسر زدہ ڈھانچے کو بنا سنوار کر لانے اور عالمی مخفی ایٹر کے اسٹیج سے مغالطہ دینے کا سلسلہ چلنے کا نہیں ؎

بچتے نہیں مؤاخذۂ روزِ حشر سے گر مدعی رقیب ہے تو تم گواہ ہو

سال ۱۹۹۰ء کے لیے ایک سبق ہمیں دنیا کے عظیم ترین واقعہ سے یہ ضرور لینا چاہیے کہ باطل کی جلوہ طرازیاں کیسی ہی مرعوب کن کیوں نہ ہوں، تاریخ میں اس کی جڑ کبھی گہری نہیں اُترتی۔ اور جب قدرت چاہتی ہے کسی جھکڑ یا زلزلے سے اکھیڑ کے اُسے پرے

پھینک دیتی ہے۔

ہمارے سامنے ہٹلر اور مسولینی مٹ گئے۔ ہمارے سامنے کتنی ہی مغربی ریاستوں کے نقشے بدل گئے۔ ہمارے سامنے جاپان اور جرمنی کو بُری طرح پچھاڑا گیا، مگر دونوں ملک از سرِ نو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہمارے سامنے انگریزی سامراج اپنا بوریا بستر باندھ کر برصغیر سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کے بعد وہ نمبر ۲ کی طاقت بن کر رہ گیا۔ ہمارے سامنے امریکہ نے ویت نام میں زک اُٹھائی۔ اور اب ہمارے سامنے روس نے کم تعداد، کم اسلحہ اور کم رسد افغان مجاہدین کے ہاتھوں ایسی بُری ہزیمت اُٹھائی کہ اسی کے نتیجے میں اس کی اپنی جڑیں اُکھڑ گئی ہیں۔ اس صدی کا عالمگیر نظامِ ظلم مٹ گیا۔

بس کوئی بھی باطل نظریہ اور کوئی بھی طاغوتی نظام ایسا نہیں کہ دلیل کی بنا پر یا عوام کے لیے افادیت کی بنا پر، یا انسانیت کے لیے فلاح و بہبود کی بنا پر اچھے نتائج دے سکے۔ اس کے کانٹوں پر آپ چاہے پھولوں کی پتیاں ہی لپیٹ دیں مگر وہ تو چبھیں گے۔ جنہیں چبھیں گے انہیں آپ جبر کی تلوار سے مجبور کیجیے کہ رونے کی اجازت نہیں، ہنسنا لازمی ہے، مگر ان مصنوعی اور جبری تدبیروں سے کوئی باطل حق اور کوئی طاغوت ذریعۂ ہدایت تو نہیں بن سکتا۔

مسلمان نوجوانو! پون صدی لمبے سوشلزم کے تجربے کی ناکامی کے بعد کم سے کم اب اپنے دلوں میں یہ فیصلہ کر لو کہ وحی کی ہدایت سے آزاد ہو کر عقلِ بے راہ رو کے بنائے ہوئے کسی فلسفے اور کسی نظام میں مسلمانوں اور انسانوں کی کوئی بہبود نہیں ہے۔

بس یہ ایک نکتہ ہے کہ جس دن ہماری سمجھ میں یہ پوری طرح آگیا، ہم باطل طاغوتی قوتوں سے مرعوب ہونے کے بجائے ان کے خلاف محاذ آرا ہو سکیں گے۔ نظامِ حق کو اگر مضبوط سپاہی مل جائیں تو پھر کسی باطل کا سکہ زمین پر نہیں چل سکتا۔

نو سال ۱۹۹۰ء کا پروگرام یہ ہوا کہ تمام غیر اسلامی نظریوں اور نظاموں سے انقطاع اور اسلامی نظریہ و نظام کی علمبرداری! اِن شاء اللہ العزیز۔